سوویت یونین کی ناکامی

بیشتر دُنیا کے اہلِ فکر نے کمیونزم اور اس کے فلسفۂ اجتماعیت سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ روس ایک نیا تجربہ کر رہا ہے اور اسے یہ تجربہ کرنے کا حق حاصل ہے علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں ہی اس تجربے کے حق میں تھے۔ ابوالکلام آزاد نے لکھا تھا:

> "دُنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس (سوشلزم) کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ پہنا نہیں سکا ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس مطالبے کا حق ہے کہ مزید تجربے کا موقع دیا جائے۔" (ترجمان القرآن، تفسیر سورہ توبہ)

روس کا یہ تجربہ کیوں ناکام ہوا؟ اس موضوع سے تو وہی لوگ انصاف کر پائیں گے جو سالہا سال سے کمیونزم پر دادِ تحقیق دے رہے ہیں، لیکن ایک عام آدمی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ روس کا فلسفۂ اجتماعیت آخر کار استبداد اور فسطائیت پر منتج ہوا، جس میں فرد کے لیے اظہارِ رائے کی آزادی کی کوئی جگہ نہ تھی۔ فکر و نظر پر پابندی ــ خواہ وہ کسی بھی نام سے عائد کی جائے ــ ہمیشہ قوموں کی ہلاکت کا موجب بنی ہے۔ اس کی وجہ سے قومیں اپنے اندر ایسی تخلیقی جماعت پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں، جس کی وجہ سے انسانی تہذیب و تمدن کو ترقی و استحکام نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس فلسفۂ اجتماعیت نے روس کو نہ صرف ادب، فلسفہ، سیاست اور معیشت پر اظہارِ رائے کی آزادی سے محروم کیا، بلکہ اس نے اسے مذہب کے بارے میں بھی ایک صحت مند مثبت رویہ اختیار کرنے سے روکا۔ غرضیکہ فکر و نظر کی آزادی پر قدغن لگانا، رواداری کو ختم کرنا، وسعتِ نظر سے تغافل برتنا، جمہوریت اور اس کے اخلاقی آداب سے منہ موڑنا اور دُنیا کو زیر و زبر کرنے کے لیے اپنے وسائل کو مہلک ہتھیاروں کی تیاری میں صرف کرنا، یہ سب باتیں سوویت یونین کی ناکامی کا موجب بنیں۔ سوویت یونین کی ناکامی کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہم ایک دوسرا خوش گوار اور

حیرت ناک مشاہدہ بھی کر رہے ہیں، عصرِ حاضر میں دوسری عالم گیر جنگ میں روس نے اپنے مغربی اتحادیوں سے مل کر جن قوموں کو شکست دی تھی، وہ بھی استبدادی نظام میں جکڑی ہوئی تھیں، لیکن جونہی ان مفتوح قوموں — مثلاً جرمنی، جاپان — نے اپنے پرانے استبدادی فلسفۂ سیاست کو ترک کیا اور اخلاص سے علم و عمل کی راہ پر چل کر جمہوریت کو اپنایا تو اُنھوں نے میدانِ جنگ میں جیتنے والی قوموں سے میدان واپس لے لیا۔ آج جرمنی کی حیرت ناک ترقی کا راز اس کی سیاست یا اس کے خم و پیچ میں مضمر نہیں ہے، بلکہ اس کی ترقی کا سہرا بہ قول ایک جرمن دانشور، اُن ان گنت اساتذہ کے سر ہے، جنھوں نے پوری جرمن قوم کے بچوں کو صحیح معنی میں تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کر دیا ہے۔ ان اساتذہ کی نگاہ میں تعلیم سنگ و خشت کی عمارتوں یا چند کتابوں کے رٹنے رٹانے کا نام نہیں ہے، کیوں کہ کتابوں کے رٹنے رٹانے سے بچے کی تخلیقی صلاحیتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس اُنھوں نے تعلیم کے نام پر جرمن بچوں کو آزادانہ سوچ بچار کا طریقہ سکھایا ہے۔ چنانچہ جرمن قوم نے صحیح تعلیم اور ایک نئے عزم اور ولولے سے سرشار ہو کر نازی جرمنی اور جنگِ عالم گیر کے ہر نقش کو مٹا دیا ہے۔ اور آج وہ اس مقام پہ فائز ہو گئی ہے کہ روس میدان چھوڑ چکا ہے اور باقی "تین بڑی مغربی طاقتیں" اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہیں۔ "عظیم طاقتوں کا عروج و زوال" نامی معروف کتاب کے مصنف پول کینیڈی نے جدید جرمنی کی ترقی پر تفصیل سے لکھا ہے۔

بے شبہ سوویت یونین کا زوال اور جرمنی کا عروج اپنے اندر دیدۂ بینا کے لیے عبرت و نصیحت کا سر و سامان رکھتا ہے، لیکن کیا ہم ان دونوں ریاستوں سے کوئی سبق حاصل کر سکتے ہیں؟ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ایوانِ علم میں ہماری جگہ سب سے پیچھے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھوٹان اور افغانستان کو چھوڑ کر آج ہم علم کی دُنیا میں سب سے پیچھے کھڑے ہیں ... تاریخ کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ یہ المیہ اس قوم کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے، جس کی تہذیب و تمدن کا بنیادی وصف علم تھا۔ چنانچہ اگر آج ہم ایک باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو سنجیدگی سے یہ طے کرنا ہوگا کہ کیا ہم واقعی اسکولوں، کالجوں اور دانش گاہوں میں دی

جاتے والی "تعلیم" کو تعلیم کہہ سکتے ہیں ؟ اگر یہ تعلیم نہیں ہے تو پھر ہمیں ایک نئے "روحانی انسان" کی تخلیق کے لیے جلد قدم اُٹھانا ہوگا ۔ یہ یاد رہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے اور وہ کسی کی خاطر اپنی رفتار کو نہیں بدلتا ۔ فھل من مدّکر ؟ (رشید احمد)